QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

رشید امجد کے افسانوں میں معتوب کرداروں کا علامتی اظہار: ایک تنقیدی مطالعہ

THE SYMBOLIC REPRESENTATION OF MARGINALIZED CHARACTERS IN RASHEED AMJAD'S SHORT STORIES: A CRITICAL STUDY

رضوان

پی ایچ ڈی اسکالر (اردو)، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد مسعود الحسن بدر

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو (ایڈجنک فیکلٹی)، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

This research critically examines the symbolic representation of marginalized characters in the short stories of Rasheed Amjad. The study explores how Amjad portrays individuals suppressed, rejected, or ignored under political, social, and psychological systems, turning them into symbolic embodiments of resistance. Through an analysis of selected works such as A Common Man's Dream, The City Grown in a Flowerpot, The Scene of Barren Blood, and Sinking Identity, the paper highlights two main categories of marginalized characters: those oppressed by external political and social forces, and those internally defeated by existential and psychological crises. Amjad's use of symbolism and abstraction transforms these characters from mere narrative figures into multi-layered metaphors reflecting collective societal experiences. The research demonstrates that his narrative technique intertwines internal conflict with external realities, creating a nuanced discourse on resistance, identity, and the human condition under oppressive systems. Ultimately, the paper argues that Rasheed Amjad's short fiction enriches the symbolic tradition of Urdu literature by giving marginalized characters an enduring intellectual and artistic presence.

Keywords

Rasheed Amjad, Marginalized Characters, Urdu Short Story, Symbolism, Existential Crisis, Political Oppression, Social Resistance, Abstraction, Identity, Urdu Literature

اردو افسانے کی تاریخ میں ایسے کردار ہمیشہ نمایاں رہے ہیں جو جبر، تنہائی، محرومی اور شناخت کے بحران کا شکار ہوں۔ ان کرداروں کو ادبی تنقید میں اکثر "معتوب کردار" کہا جاتا ہے، یعنی وہ فرد جو کسی سیاسی، سماجی یا فکری نظام کے تحت دبایا، مسترد یا نظر انداز کیا جائے۔ رشید امجد کا شمار ان افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اس معتوب کردار کو نہ صرف مرکزی حیثیت دی بلکہ اسے علامتی اور تجریدی اسلوب کے ذریعے ایسی معنویت عطا کی جو محض بیانیہ حقیقت نگاری سے ممکن نہ تھی۔ رشید امجد کے نزدیک ادب بذاتِ خود مزاحمتی عمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''عمومی معنوں میں ادب ہوتا ہی مزاحمتی ہے کہ ادیب موجودہ صورتحال، اس کے جبر اور استحصال کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔''(1)

یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے نہ صرف سماجی و سیاسی جبر کو بے نقاب کرتے ہیں بلکہ فرد کی داخلی کشمکش اور نفسیاتی شکست کو بھی علامتوں میں سمو دیتے ہیں۔ وہ اپنے فن کا مقصد اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''میں اس لیے لکھتا ہوں کہ اپنا اظہار چاہتا ہوں۔ اپنے عہد اور اس کے آشوب کو لفظوں میں زندہ کرنا چاہتا ہوں... یہ خواب سہی، میری بات تمنائیں سہی لیکن میری تحریروں کا اثاثہ یہی خواب اور یہی تمنائیں ہیں۔''(2)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

رشید امجد کی تخلیقات میں معاشرتی ناہمواری، سیاسی جبر، اور انسانی اقدار کی پامالی کے مناظر بار بار آتے ہیں، مگر ان کا اظہار کبھی براہِ راست نعرے بازی کی صورت میں نہیں ہوتا بلکہ معتوب کرداروں کے علامتی اظہار کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہی اس مضمون کا بنیادی محور ہے کہ کس طرح رشید امجد کے افسانوں میں معتوب کردار سماجی اور وجودی سطح پر مزاحمت کی علامت بن جاتے ہیں۔

ادبیات میں "معتوب کردار" کی اصطلاح ان کرداروں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو معاشرتی، سیاسی یا فکری جبر کے تحت نظرانداز، دبائے یا مسترد کیے گئے ہوں۔ یہ کردار اکثر کسی طاقتور نظام یا غالب بیانیے کے خلاف مزاحمت کی علامت بن جاتے ہیں، چاہے یہ مزاحمت خاموش ہو یا اعلانیہ۔ ایسے کرداروں کے وجود میں محرومی، بے بسی اور شناخت کے بحران کے اثرات گہرے ہوتے ہیں۔ رشید امجد کے افسانوی ادب میں یہ کردار بار بار سامنے آتے ہیں، مگر ان کا اظہار محض بیانیہ حقیقت نگاری کے ذریعے نہیں بلکہ علامتی اور تجریدی فنی اسلوب کے ساتھ ہوتا ہے، جس سے ان کی معنوی جہات مزید وسیع ہو جاتی ہیں۔

اردو ادب کی روایت میں معتوب کردار کوئی نیا رجحان نہیں۔ کلاسیکی ادب سے لے کر جدید افسانہ تک، ہم ایسے کرداروں کو دیکھتے ہیں جو اپنے عہد کے جبر، ناانصافی اور امتیازی سلوک کا شکار ہیں۔ لیکن رشید امجد کے ہاں اس تصور کو ایک نئی تہہ ملتی ہے، کیونکہ وہ فرد کی مظلومیت کو محض ایک قصہ نہیں رہنے دیتے بلکہ اسے پورے معاشرتی نظام کی کمزوریوں کا استعارہ بنا دیتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر وزیر آغا نے رشید امجد کی تخلیقی پوزیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''رشید امجد نے حال کے نقطے پر کھڑے ہو کر ماضی اور مستقبل دونوں سے رابطہ قائم کیا۔''(3)

یہ جملہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ان کے معتوب کردار کسی ایک لمحے یا واقعے کے نمائندہ نہیں بلکہ ایک وسیع تاریخی اور فکری تناظر کا حصہ ہیں۔ ان کے کردار اس عہد کی سفاکی، خوف، بے حسی اور ذہنی انتشار کے عینی شاہد ہیں، جیسا کہ مصنف خود بیان کرتے ہیں:

''میں نے کرداروں کو باہر تلاش کرنے کے بجائے اپنے اندر ڈھونڈنا شروع کر دیا کہ مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ میرے اندر جو جہان ہے وہ باہر کی دنیا سے کہیں بڑا، پراسرار اور عظیم ہے۔''(4)

رشید امجد کے معتوب کردار زیادہ تر دو بڑے گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ پہلا گروہ وہ ہے جو خارجی جبر اور سیاسی طاقت کے زیرِ اثر دبایا گیا ہو، جیسے افسانہ "بنجر لہو منظر" کا وہ شخص جس کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ "سر اٹھا کر چلتا ہے"۔ دوسرا گروہ ان کرداروں پر مشتمل ہے جو داخلی سطح پر شکست خوردگی کا شکار ہیں، مثلاً "ڈوبتی پہچان" کا وہ کردار جو ماں کی قبر کی شناخت کھو بیٹھتا ہے، اور یہ وسوسہ اس کی پوری شخصیت پر حاوی رہتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کردار اپنی مجبوری اور جبر کا شکار تو ہوتے ہیں، مگر ساتھ ہی یہ اس عہد کے سب سے مضبوط بیانیہ علامت بھی ہیں۔ یہ کردار قاری کو خاموش احتجاج کی گہرائی میں لے جاتے ہیں، جہاں فرد اور معاشرہ ایک دوسرے کی حقیقت کو آئینہ دکھاتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر صوفیہ خٹک نے رشید امجد کے کرداروں کے بارے میں کہا:

''ان کے افسانوں میں داخلی اور خارجی تعلق سے ایک نئی سمت کا پتہ ملتا ہے...ان کی کہانی کا فرد اپنے ماحول سے بیزار ہے، اس ماحول میں خارج کے جبر کا رنگ نمایاں ہوتا ہے جس میں وہ اس حقیقت سے آشنا ہے کہ اس کا وجود معاشرتی سطح پر تشدد جھیلنے پر مجبور ہے۔''(5)

یوں رشید امجد کے معتوب کردار محض کہانی کے حصے نہیں بلکہ پورے سماجی ڈھانچے اور اس کے تضادات کی تصویریں ہیں۔ ان کی علامتی پیشکش قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ظلم سہنے والا فرد اور جبر مسلط کرنے والا نظام دونوں ایک ہی معاشرتی حقیقت کا حصہ ہیں، اور ادب کا کام ان دونوں کو عریاں کر کے سامنے لانا ہے۔ رشید امجد کی افسانہ نگاری کا سب سے نمایاں وصف ان کا علامتی اور تجریدی اسلوب ہے، جو ان کے معتوب کرداروں کو محض قصے کے کردار نہیں رہنے دیتا بلکہ ایک گہری فکری اور تہہ دار معنویت عطا کرتا ہے۔ وہ واقعات کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے علامت اور استعارے کے پردے میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری بیک وقت خارجی حالات اور داخلی کیفیات دونوں کا سامنا کرتا ہے۔ ان کے فن میں علامت محض فنی صنعت نہیں بلکہ ایک فکری ضرورت ہے، کیونکہ معتوب کرداروں کی اصل معنویت اسی وقت ابھرتی ہے جب انہیں وسیع تر انسانی اور معاشرتی پس منظر میں دیکھا جائے۔

ساٹھ کی دہائی میں جب سیاسی جبر، تنہائی اور ذہنی انتشار کے بیانیے کو پیش کرنے کے لیے اردو افسانہ علامتی اور تجریدی تکنیک کی طرف مائل ہوا تو رشید امجد نے اس رجحان کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس میں اپنی تخلیقی انفرادیت شامل کی۔ جیسا کہ ڈاکٹر انور سدید نے ان کے اسلوب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

''رشید امجد کا شعری لہجہ، علامتی اظہار اور تجریدی ڈھانچہ سب مل کر اس کے فن کی ایک نمائندہ جہت اور اس کا منفرد تشخص قائم کرتے ہیں۔ اس نے ٹھوس کہانی کو گرفت میں لینے اور سماج کی اصلاحی خدمت سرانجام دینے کے بجائے اس تاثر کو پکڑنے کی سعی کی جو تجربے کے مرکز میں سیال صورت میں موجود ہوتا ہے اور اکثر شعری انداز میں افسانہ نگار کی طرف سفر کرتا ہے۔''(6)

ان کے علامتی اسلوب میں اشیاء، مناظر اور حرکات سب معنی خیز بن جاتے ہیں۔ "گملے میں اگا ہوا شہر "میں گم شدہ جنازہ محض ایک واقعہ نہیں بلکہ جمود زدہ معاشرتی ڈھانچے کی علامت ہے، جہاں زندگی اور موت کی سرحدیں بے معنی ہو چکی ہیں۔ اسی طرح "عام آدمی کا خواب "میں زندگی بھر ایک خبر کی تلاش دراصل اس فرد کی علامتی جدوجہد ہے جو جبر اور سنسر شپ کے ماحول میں سچائی تک رسائی کی کوشش کرتا ہے۔ خود رشید امجد اس خواب اور جدوجہد کو اپنی تخلیق کا اثاثہ قرار دیتے ہیں:

''میں اس لیے لکھتا ہوں کہ اپنا اظہار چاہتا ہوں۔ اپنے عہد اور اس کے آشوب کو لفظوں میں زندہ کرنا چاہتا ہوں... یہ خواب سہی، میری بات تمنائیں سہی لیکن میری تحریروں کا اثاثہ یہی خواب اور یہی تمنائیں ہیں۔''(7)

رشید امجد کے ہاں علامت اکثر کردار کی داخلی کشمکش اور خارجی حقیقت کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً "ڈوبتی پہچان "میں قبر کی شناخت کا کھو جانا محض ایک جسمانی واقعہ نہیں بلکہ وجودی بحران کا استعارہ ہے، جو کردار کی پوری نفسیات پر چھا جاتا ہے ۔ اسی طرح "ہابیل اور قابیل کے درمیان ایک طویل مکالمہ "میں بچ دی گئی آوازیں اس معاشرتی بے بسی کی علامت ہیں جہاں اظہار کی قیمت خاموشی ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے مطابق رشید امجد کا اسلوب محض بیان کا نہیں بلکہ ایک فکری مکاشفے کا ذریعہ ہے:

''رشید امجد کا فن احساس کی ان سطحوں کو چھونے کی جانب سرگرم ہے جو آسانی سے دسترس میں نہیں آسکتیں۔ وہ ان مسئلوں اور الجھنوں کے بارے میں سوال اٹھاتے ہیں جنہیں آج کے انسان نے نئے عہد کا موڑ مڑتے ہی اچانک سامنے پایا ہے... وہ عام معنی سے پرے دیکھنے کے متلاشی اسی لیے ہیں کہ نہ آج کے مسئلے سیدھے سادھے ہیں نہ ان کا جواب اظہار کی سطح سے ممکن ہے۔''(8)

یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے بیک وقت عصری سیاسی جبر کی عکاسی بھی کرتے ہیں اور قاری کو اس جبر کے اندر فرد کی داخلی شکست اور مزاحمت دونوں دکھاتے ہیں۔ علامتی اظہار کے ذریعے وہ قاری کو محض ایک واقعہ نہیں سناتے بلکہ ایک تجربہ کرواتے ہیں—ایسا تجربہ جو اس کے شعور اور لاشعور دونوں میں ارتعاش پیدا کرتا ہے۔ ان کے اسلوب میں ایک اور خاص بات یہ ہے کہ وہ اشیاء اور مناظر کو محض پس منظر نہیں رہنے دیتے بلکہ انہیں کردار کے برابر معنوی اہمیت دیتے ہیں۔ شمیم حنفی نے درست کہا ہے کہ:

''رشید امجد گنتی کے ان لوگوں میں سے ہیں جو کہانی کی بنیاد بننے والی سچائی سے لے کر کہانی کے وجود میں آنے تک سارے مرحلوں سے گزرتے ہیں... اپنے معنی، جذباتی، ذہنی اور لسانی رد عمل پر رشید امجد کی گرفت غیر معمولی ہے۔''(9)

رشید امجد کا افسانہ "عام آدمی کا خواب "معتوب کردار کے علامتی اظہار کی ایک مکمل اور جامع مثال ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ایک ایسا عام آدمی ہے جو زندگی بھر ایک "خبر" کی تلاش میں رہتا ہے، مگر وہ خبر اسے کبھی نہیں ملتی۔ یہ تلاش محض خبروں کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ اس فرد کی داخلی آرزو، سچ کی جستجو، اور ایک بہتر سماج کے خواب کی علامت ہے۔ کردار کا یہ مسلسل انتظار اس جبر کی نشاندہی کرتا ہے جو سچائی اور آزاد اظہار کو دبانے والے نظام میں عام انسان کی تقدیر بن جاتا ہے۔ افسانے کے آغاز میں ہی مرکزی کردار کی کیفیت ایک ایسے انسان کی تصویر پیش کرتی ہے جو اپنی زندگی کو ایک مقصد کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے مگر ہر طرف رکاوٹیں اور مایوسی ہیں:

''انگلیاں اس چینل کو تلاش کرتے کرتے شل ہو گئی ہیں جہاں سے وہ اپنی پسند کی خبریں سننا چاہتا ہے اور آنکھیں اس خبر کی سرخی کو تلاش کرتے کرتے پتھرا گئی ہیں جسے پڑھنے کا وہ مدتوں سے منتظر ہے۔''(10)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

یہ جملہ معتوب کردار کی دوہری اذیت کو واضح کرتا ہے—ایک طرف جسمانی تھکن اور دوسری طرف ذہنی و روحانی مایوسی۔ کردار بار بار اخبارات اور نیوز چینل بدلتا ہے مگر ہر جگہ اسے وہی باسی، سنسر شدہ اور مسخ شدہ خبریں ملتی ہیں۔ یہ کیفیت اس نظام کی علامت ہے جہاں سچ دبایا جاتا ہے اور طاقتور طبقہ معلومات پر قابض رہتا ہے۔ رشید امجد اس افسانے میں مرکزی کردار کی تنہائی اور بے بسی کو اس طرح علامتی صورت دیتے ہیں کہ قاری کو اس جبر کی شدت محسوس ہونے لگتی ہے۔ افسانے کا اختتام ایک کڑوی حقیقت پر ہوتا ہے کہ وہ شخص جس نے زندگی بھر "خبر" کا انتظار کیا، خود ایک معمولی خبر بن کر رہ جاتا ہے۔

یہ انجام محض ایک شخص کی موت کا بیان نہیں بلکہ اس پورے طبقے کی معنوی موت کی علامت ہے جو اپنی شناخت اور حقوق کے لیے لڑتے لڑتے خاموش ہو جاتا ہے۔ یہ کردار اس بات کی علامت ہے کہ کس طرح جبر اور محرومی فرد کو اس حد تک معتوب بنا دیتے ہیں کہ اس کی زندگی اور موت دونوں غیر اہم ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر شفیق انجم نے رشید امجد کی کردار نگاری کے اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''رشید امجد عام آدمی کو درپیش صورتحال کی محض تصویریں نہیں اتارتے... بلکہ مختلف سطحوں اور زمانی و مکانی علائق میں زاویے بدل بدل کر حقائق کو نقش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے یک رخے، عام اور سادہ نہیں بلکہ کثیر جہتی، متنوع اور معنویت سے پر ہیں۔''(11)

اس افسانے کا "عام آدمی" دراصل وہ معتوب کردار ہے جو اپنی خاموش مزاحمت اور مسلسل تلاش کے ذریعے قاری کو بتاتا ہے کہ جبر کے نظام میں سب سے بڑا نقصان فرد کی شناخت اور اس کے خواب کا ہوتا ہے۔ اس کی موت محض ایک ذاتی المیہ نہیں بلکہ ایک اجتماعی سانحہ ہے جو سماج کی ناکامی کو عیاں کرتا ہے۔

رشید امجد کا افسانہ "گملے میں اگا ہوا شہر" اپنی ساخت اور علامتی گہرائی میں ایک بھرپور مزاحمتی بیانیہ ہے، جس میں معاشرتی جبر، بے حسی اور معنوی موت کو ایک علامتی واقعے کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ اس کہانی کا مرکزی معتوب کردار براہِ راست کوئی فرد نہیں بلکہ پورا شہر اور اس کے باسی ہیں، جو جبر کے نظام میں اس قدر مفلوج ہو چکے ہیں کہ زندگی اور موت کی بنیادی تفریق بھی دھندلا گئی ہے۔ افسانے کا سب سے چونکا دینے والا منظر اس وقت سامنے آتا ہے جب ایک جنازہ گم ہو جاتا ہے اور پورا شہر اسے تلاش کرتا ہے، مگر کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ یہ منظر محض ایک عجیب اتفاق نہیں بلکہ پورے معاشرتی جمود اور روحانی بانجھ پن کی علامت ہے۔ جنازے کا گم ہو جانا اس سماج کی موت کی نشانی ہے جو اپنی اقدار، سچائی اور انسانی ہمدردی کھو چکا ہے۔ "قبر کا مردہ مانگنا" اس بات کی علامت ہے کہ جبر کے نظام میں انسان کی موت کو بھی ایک رسمی اور مشینی عمل بنا دیا گیا ہے، جس میں جذبات اور انسانیت کی کوئی جگہ نہیں رہتی۔ اس افسانے میں معتوب کردار براہِ راست ایک فرد نہیں بلکہ اجتماعی وجود ہے۔ پورا شہر اس نظام کا قیدی ہے، اور اس کے لوگ محض رسمی حرکات کرنے والے کرداروں کی طرح پیش کیے گئے ہیں۔ یہ وہی کیفیت ہے جس کا ذکر ڈاکٹر صوفیہ خشک نے رشید امجد کے افسانوں میں کرداروں کی نفسیات بیان کرتے ہوئے کیا:

> ''ان کے افسانوں میں داخلی اور خارجی تعلق سے ایک نئی سمت کا پتہ ملتا ہے... ان کی کہانی کا فرد اپنے ماحول سے بیزار ہے، اس ماحول میں خارج کے جبر کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔''(12)

افسانے کی فضا میں خوف، گھٹن اور معنوی سناٹا چھایا ہوا ہے۔ جنازے کا نہ ملنا، قبر کا مطالبہ کرنا، اور شہر کی اجتماعی بے حسی—یہ سب اس امر کے استعارے ہیں کہ جبر کے نظام میں نہ صرف زندہ انسان بلکہ مردے بھی شناخت کھو دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ظلم اور جمود نے زندگی کے تمام مظاہر کو مسخ کر دیا ہے۔ ڈاکٹر اعجاز راہی اس طرح کے علامتی ڈھانچے کو رشید امجد کے فن کی اہم جہت قرار دیتے ہیں:

> ''معاشرہ جس طرح مذہبی، اخلاقی، تہذیبی اور انسانی قدروں کو پامال کر کے انسانی بے توقیری کی روا قائم کرتا ہے اور اس سے جو اجتماعی کرب ابھرتا ہے، رشید امجد کے افسانے اس کی بازگشت ہیں۔''(13)

یوں "گملے میں اگا ہوا شہر" میں معتوب کردار محض فرد کی نہیں بلکہ ایک پورے معاشرتی وجود کی نمائندگی کرتا ہے، جو اپنی معنویت کھو بیٹھا ہے اور جس کی موت تک بے معنی ہو چکی ہے۔ اس افسانے کا علامتی بیانیہ قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ جب معاشرہ اپنی اجتماعی روح کھو دے تو زندہ اور مردہ دونوں ایک ہی سطح پر آ جاتے ہیں—اور یہی وہ مقام ہے جہاں ادب معتوب کردار کو محض مظلوم نہیں بلکہ ایک کڑوی صداقت کا استعارہ بنا دیتا ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

رشید امجد کا افسانہ "بنجر لہو منظر" مارشل لاء کے دور میں پیدا ہونے والے سیاسی جبر اور انسانی آزادی کی پامالی کا ایک نہایت گہرا علامتی استعارہ ہے۔ اس کہانی میں معتوب کردار محض ایک فرد نہیں بلکہ وہ تمام لوگ ہیں جو طاقتور ریاستی ڈھانچے کے سامنے اپنی شناخت اور وقار بچانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اسی کوشش کی پاداش میں سزا کا نشانہ بنتے ہیں۔ افسانہ ایک خوفناک منظر نامے سے شروع ہوتا ہے، جہاں ایک کنٹرول روم کے ایک بٹن کے دبا دینے سے پورے شہر کی آوازیں، تصویریں اور خبریں غائب ہو جاتی ہیں:

"کنٹرول روم کے ایک بٹن سے ریڈیو، ٹی وی، اخباروں اور رسالوں میں گونجتی آوازیں، تصویریں اور خبریں سب غائب ہو جاتی ہیں۔ جو شہر تھا اب ویرانی کا منظر پیش کر رہا ہے۔"(14)

یہ منظر محض ایک تخیلاتی کیفیت نہیں بلکہ اس دور کے سنسر شپ اور اظہارِ رائے پر مکمل پابندی کا علامتی اظہار ہے۔ شہر کی ویرانی اس بات کا استعارہ ہے کہ جب اظہار کا حق چھین لیا جائے تو معاشرہ اپنی روح سے محروم ہو کر ایک بے جان وجود بن جاتا ہے۔ اس ویران فضا میں ایک شخص کو عوام کے سامنے چبوترے پر لایا جاتا ہے۔ اس کا جرم سنایا جاتا ہے۔ یہ افسانہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ رشید امجد کے ہاں معتوب کردار صرف جبر کا شکار نہیں بلکہ مزاحمت کی علامت بھی ہیں۔ "بنجر لہو منظر" میں مرکزی کردار اگرچہ طاقتور نظام کے سامنے شکست کھا جاتا ہے، لیکن اس کی مزاحمت قاری کے شعور میں ایک سوال چھوڑ جاتی ہے — کیا سر جھکا دینا ہی بقا کی واحد صورت ہے، یا سر اٹھا کر چلنے کی قیمت ادا کرنا زیادہ بامعنی ہے؟ "بنجر لہو منظر" میں معتوب کردار ایک ایسے عہد کی علامت بن کر سامنے آتا ہے جہاں مزاحمت کو جرم اور وقار کو بغاوت سمجھا جاتا ہے۔ یہ کردار شکست کے باوجود قاری کے لیے حوصلے اور فکری بیداری کا استعارہ ہے۔

رشید امجد کا افسانہ "ڈوبتی پہچان" معتوب کردار کی داخلی شکست اور وجودی بحران کا ایک نہایت گہرا علامتی بیان ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار کسی سیاسی جبر کا براہِ راست شکار نہیں بلکہ اپنی یادداشت، یقین اور شناخت کے کھو جانے سے معتوب ہو جاتا ہے۔ یہ افسانہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ جبر ہمیشہ بیرونی نہیں ہوتا؛ کبھی یہ فرد کے اندر اُتر کر اس کی شخصیت کو اندر سے توڑ دیتا ہے۔ کہانی میں مرکزی کردار ماں کی قبر کو پختہ کرانے کی کوشش کرتا ہے، مگر اس کوشش کے دوران پورا قبرستان ہی پختہ کرا دیتا ہے۔ اس کے باوجود ایک وسوسہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا:

"یہ خیال گردش کرنے لگا کہ پتا نہیں ماں کی قبر اس قبرستان میں ہے بھی یا نہیں۔"(15)

یہ وسوسہ محض ایک ذاتی شکوک کا معاملہ نہیں بلکہ اس بات کی علامت ہے کہ جبر اور بے یقینی کے ماحول میں فرد اپنی بنیادوں، رشتوں اور پہچان پر یقین کھو دیتا ہے۔ قبر کا استعارہ یہاں ماضی، شناخت اور جذباتی وابستگی کا نمائندہ ہے، جبکہ اس کی پہچان کا کھو جانا اس بات کی علامت ہے کہ معاشرتی اور نفسیاتی جبر فرد کو اپنی جڑوں سے کاٹ دیتا ہے۔ یہ افسانہ واضح کرتا ہے کہ معتوب کردار صرف سیاسی سطح پر ہی نہیں بنتے، بلکہ داخلی خوف، وسوسے اور عدم تحفظ بھی انہیں معتوب بنا دیتے ہیں۔ "ڈوبتی پہچان" میں مرکزی کردار کا بحران داخلی اور خارجی جبر کے اس امتزاج کی نمائندگی کرتا ہے، جو فرد کو خاموشی سے مٹا دیتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ کسی بڑے عوامی المیے کا حصہ بنے۔

رشید امجد کے ہاں یہ تمام کردار محض موضوعاتی سطح پر ہی نہیں بلکہ فنی سطح پر بھی گہرائی رکھتے ہیں۔ ان کا علامتی اور تجریدی اسلوب ان کرداروں کو کثیر المعنی اور ہمہ جہتی بنا دیتا ہے۔ ان کے معتوب کردار جبر کے نظام میں خاموشی سے مٹنے کے بجائے ایک علامتی بیانیہ تشکیل دیتے ہیں، جو قاری کے شعور کو جھنجھوڑتا اور اسے اپنے عہد کے تضادات پر غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

رشید امجد کے افسانے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ معتوب کردار محض ایک کہانی کا جزو نہیں بلکہ پورے عہد کی فکری، سیاسی اور سماجی تاریخ کا آئینہ ہوتے ہیں۔ ان کے کردار جبر، بے حسی اور شکست کے مختلف مظاہر کو علامتی اور تجریدی اسلوب میں پیش کرتے ہیں، جس سے یہ محض واقعاتی بیانیے سے نکل کر ایک ہمہ جہتی فکری مکالمے کا حصہ بن جاتے ہیں۔ سیاسی جبر میں مبتلا کردار، جیسے بنجر لہو منظر کا سر اٹھا کر چلنے والا شخص، آزادی اور وقار کی قیمت کو اجاگر کرتا ہے، جبکہ گملے میں اگا ہوا شہر کا اجتماعی وجود یہ بتاتا ہے کہ جب معاشرتی روح مر جائے تو فرد کی زندگی اور موت دونوں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ڈوبتی پہچان کا مرکزی کردار داخلی شکست اور وجودی بحران کی علامت ہے، جو اس بات کی یاددہانی ہے کہ جبر ہمیشہ باہر سے نہیں آتا بلکہ کبھی کبھی یہ فرد کے اندر ہی گھر کر لیتا ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

رشید امجد کے معتوب کردار قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ جبر کے نظام میں اصل مزاحمت کیا ہے—خاموش وقار کے ساتھ جینا یا سر اٹھا کر قیمت ادا کرنا؟ ان کا علامتی اظہار اس لیے مؤثر ہے کہ یہ قاری کے شعور اور لاشعور دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے، اور اسے اپنے عہد کے تضادات کا سامنا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یوں رشید امجد کی تخلیقات نہ صرف اردو افسانے کی علامتی روایت کو تقویت دیتی ہیں بلکہ معتوب کرداروں کو ایک ایسا فکری اور فنّی مقام عطا کرتی ہیں جہاں وہ اپنے وقت کی تاریخ اور انسانی تجربے کا لازمی حصہ بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدید اردو افسانے کی تاریخ رشید امجد کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

حوالہ جات

1۔ رشید امجد، ڈاکٹر، مزاحمتی ادب: ایک جائزہ، مشمولہ ''مزاحمتی ادب (1999-2007)'' مرتب، رشید امجد، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2009، ص 17

2۔ رشید امجد، ''تمنا بے تاب''، فیض السلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی، ستمبر 2001ء ص 267

3۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، رشید امجد کے افسانے، روشنائی، کراچی، 2002، ص 206

4۔ رشید امجد، میں اور میرے کردار''، مشمولہ ''ایک عام آدمی کا خواب''، رشید امجد، حرف اکادمی راولپنڈی 2006ء ص 137

5۔ صوفیہ خشک، ڈاکٹر اردو افسانہ اور معاشرتی تعمیر نو (رشید امجد کے حوالے سے) مشمولہ ''الماس تحقیقی مجلہ 17 شعبہ اردو شاہ عبد الطیف یونیورسٹی، خیر پور، سندھ، پاکستان، 2016-2015، ص 435

6۔ شمیم حنفی،، فلیپ، گملے میں اگا ہوا شہر (رشید امجد کے منتخب افسانے) رشید امجد، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، 2015

7۔ رشید امجد، ''تمنا بے تاب''، فیض السلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی، ستمبر 2001ء ص 267

8۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر ،فلیپ، گملے میں اگا ہوا شہر (رشید امجد کے منتخب افسانے)، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، 2015

9۔ شمیم حنفی، گملے میں اگا ہوا شہر، فلیپ

10۔ رشید امجد، عام آدمی کا خواب۔2، مشمولہ، ''گملے میں اگا ہوا شہر'' (رشید امجد کے منتخب افسانے)، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، 2015، ص 218

11۔ شفیق انجم، ڈاکٹر، عام آدمی کا صورت گر۔۔۔ رشید امجد، مشمولہ، مکالمہ، ہم عصر اردو افسانہ -2، شمارہ 17، اکادمی بازیافت، کراچی، جولائی 2008 تا جولائی 2009، ص 92

12۔ صوفیہ خشک، ڈاکٹر اردو افسانہ اور معاشرتی تعمیر نو (رشید امجد کے حوالے سے)، ص 435

13۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، اردو افسانے میں علامت نگاری، ریز پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2002، ص 271

14۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، ''عام آدمی کی کہانی (رشید امجد کے افسانوں کا مطالعہ)''، مشمولہ، ''عالمگیریت اور اردو اور دیگر مضامین''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2015، ص 299

15۔ رشید امجد، تنہائی کی باتیں، مشمولہ ''بیزار، آدم کے بیٹے''، رشید امجد، دستاویز پبلیشرز، راولپنڈی، 1974 ص 10، 9